

ذبیحہ کے احکام

مختصر سرور

شیخ محمد عبدہ جب مصر کے مفتی تھے، تو ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) سے اُن کے پاس یہ استفتاء آیا تھا کہ یہاں کے عیسائی گائے کو ایک آلہ ”بلط“ سے مارتے ہیں (بضر یون البقر بالبلط) اور وہ زندہ ہوتی ہے کہ اُسے ذبح کر لیتے ہیں۔ لیکن اس پر وہ تسمیہ (بسم اللہ اکبر) نہیں پڑھتے، کیا ایسے ذبیحہ کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ (۱) مفتی شیخ محمد عبدہ نے قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے وطعام الذین اوتوا الكتاب حل لکم “اسے حلال قرار دیا تھا۔

اس پر مصر میں بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ اخبارات میں شیخ محمد عبدہ کے خلاف بڑے سخت مضامین لکھے گئے، علماء کو اُن کے خلاف مماذ بنانے کے لئے کہا گیا۔ اور بعض مصری رہنماؤں نے جو شیخ محمد عبدہ سے سیاسی اختلافات رکھتے تھے، اُن پر براہ راست حملے کئے، اور خدیو مصر سے مطالبہ کیا کہ وہ شیخ محمد عبدہ کو منصب افتاء سے برطرف کر دے۔

سید رشید رضا نے جو شیخ محمد عبدہ کے شاگرد تھے، اپنے ماہنامہ ”النار“ میں اپنے استاد کے فتوے کی تائید میں مسلسل مضامین لکھے، اور جہت سے اور علماء نے بھی شیخ محمد عبدہ کی حمایت کی، آخر میں شیخ موصوف کی مخالفت خود بخود ختم ہو گئی اور علماء، اذہر نے مفتی مصر کے موقف کو صحیح تسلیم کر لیا۔ جب مصر میں یہ ہنگامہ پورے زوروں پر تھا، تو سید رشید رضا نے ”النار“ میں لکھا تھا:-

ومن السياسة اذا اتلعت بالدين لا تقالی بكتاب ولا سنة، ولا حول اهام ولا منصر ولا فقیہ ولا لعوی“ (میکہ جب سیاست یہاں کے ساتھ کھیتی ہے تو نہ وہ

کتاب کی پروا کرتی ہے، نہ سنت کی اور نہ کسی امام، مفسر، فقیہ اور لغت کے ماہر کے قول کی (۲)۔ مصر کے اس ہنگامے میں شیخ محمد عبدہ پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ ”موقوۃ“ جوٹ سے مرے ہوئے کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہہ کر ان کے خلاف عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

مشین ڈیجہ کے بارے میں اس وقت جو بحث چھڑی ہوئی ہے، اس سلسلے میں مولانا محمود دی صاحب نے جو بیان دیا ہے، اسے پڑھ کر اس ہنگامے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو آج سے تقریباً پچاس پچپن سال پہلے مصر میں ہوا تھا۔

مسند زیر بحث دراصل یہ ہے۔ جیسا کہ ایک سائل نے ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈاکٹر ڈاکٹر فضل الرحمان سے پوچھا ہے کہ آیا وہ جانور جن کا کھانا اسلام میں جائز ہے، یورپ میں آج کل انہیں جس طرح ذبح کیا جاتا ہے، ان کا گوشت حلال ہو گا یا نہیں، اور اس بارے میں ڈاکٹر صاحب نے اس کے حلال ہونے کی رائے دی ہے۔

غرض یہ تھا اصل مسئلہ — یورپ میں مشین سے ذبح کئے جانے والے جانوروں کے گوشت کے حلال یا حرام ہونے کا، اور اس کے متعلق ڈاکٹر فضل الرحمن کی رائے۔ اب ملاحظہ ہو مولانا محمود دی صاحب نے اسے جس طرح پیش کیا ہے۔

روزنامہ نوائے وقت مطابق سہ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں مولانا موصوف کا اس کی تردید میں جو مضمون چھپا ہے، اس کا عنوان ہے :-

”کیا جھٹکا حلال ہے“

برصغیر کی تقسیم سے پہلے سابق پنجاب میں مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے اور انہیں تنگ کرنے کے لئے عام طور پر سکھ جھٹکے پر بہت اصرار کیا کرتے تھے، اور اکثر اس پر مسلمانوں اور سکھوں میں تصادم ہو جاتے تھے۔ جھٹکے کے ذریعہ ایک جانور کو مارنا سکھ اپنی ”قومی شان“ سمجھتے تھے، اور اس کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو چیلنج دیا کرتے تھے، مختصراً پنجاب میں ”جھٹکا“ سکھ جارحیت کی ایک روایتی علامت بن گئی تھی۔ اور جب کسی گاؤں میں سکھ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے، تو وہ مسلمانوں کو چیلنج دیتے اور جھٹکا کرتے، اس پر متدبر مسلمان بھڑک اٹھتے، اور دونوں گروہوں میں اکثر

تصادم ہو جاتا ۔

یہ ہے اس لفظ جھٹکا کی تاریخ پنجاب میں ، اور اسے بڑھ کر یاشن کر عام مسلمانوں میں جس قسم کا شدید رد عمل ہوگا ، اُس کا باآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

مولانا مودودی صاحب کو اگر زیر بحث مسئلے کی صحیح تحقیق منظور ہوتی ، تو وہ بڑی آسانی سے جھٹکا کے بجائے مشینی ذبیحہ کے الفاظ استعمال کر سکتے تھے ، اور اصل سوال بھی اس وقت اُسی کا ہے ۔ لیکن جیسا کہ سید رشید رضا نے لکھا ، جب سیاست دین کو آلہ کار بناتی ہے تو پھر مقصد تحقیق یا تلاش حق نہیں ، بلکہ عوام کو اشتعال دلا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا ہوتا ہے ، اور یہی راہ اس معاملے میں مولانا مودودی نے بد قسمتی سے اختیار کی ۔

جھٹکا کے ذیل میں مولانا لکھتے ہیں :-

”صدیوں سے مسلمان اس سرزمین میں اس جانور کے گوشت کو حرام سمجھتے رہے ہیں جسے کسی غیر مسلم نے اللہ کا نام لئے بغیر دفعتاً اس طرح قتل کیا ہو کہ ایک ہی ضرب میں جانور کا سرا اس کے دھڑ سے الگ ہو گیا ہو ایسے جانور کے ٹٹے یہاں کے مسلمان ”جھٹکے“ کا لفظ استعمال کرتے رہے ہیں.....“

مشینی ذبیحہ کے حلال یا حرام ہونے کے مسئلے کو جو یورپ و امریکہ میں آباد مسلمانوں کو اس وقت درپیش ہے ، جھٹکا بتا کر مولانا مودودی نے ایک علمی بحث کو جس طرح سیاسی رنگ دیا ہے وہ آپ نے ملاحظہ کیا ۔ اب اس مضمون میں موصوف نے عوام کو بھڑکانے کا جو دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے ، وہ دیکھئے ۔ مولانا لکھتے ہیں :-

”پاکستان کے سرکاری دارالافتاء ، ادارہ تحقیقات اسلامیہ میں جو فقہاء مجتہدین جمع ہوئے ہیں ، انہوں نے غالباً یہ طے کر لیا ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں میں جن مذہبی مسائل پر اتفاق پایا جاتا ہے ، ان کو بھی نزاع و تفرقہ کا شکار بنا کر چھوڑیں گے.....“

سب سے پہلے تو مولانا کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر نے جس مسئلے پر رائے دی تھی ، (فتوے نہیں) وہ مسلمانوں کے ہاں متفق علیہ نہیں ، چنانچہ خرد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا یہ ارشاد ہے :-

”اہل کتاب کے وہ ذبیحے جن پر وہ (عدا) اللہ کا نام نہیں لیتے یا غیر اللہ کا نام لیتے ہیں جن پر عزیر کا یا مسیح علیہما السلام کا نام لیتے ہیں، اُن میں علماءِ اُمت کا (ابتداء سے)، اختلاف ہے بعض علماءِ جائز اور حلال کہتے ہیں اور بعض ناجائز اور حرام“ (۲)

ڈاکٹر فضل الرحمن نے مزوجہ نشینی ذبیحہ کے حلال ہونے کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ انہیں تابعینِ مجتہدین اور علماء کے فتاویٰ کی روشنی میں کہا ہے، جو اہل کتاب کے ایسے ذبیحہ کو جائز اور حلال کہتے ہیں۔

اب رہا مولانا مودودی صاحب کا ”ادارہ تحقیقاتِ اسلامی“ کے متعلق یہ مقررہ کہ وہ ”پاکستان کا سرکاری دارالافتاء“ ہے، اور اس میں ”فقہاءِ مجتہدین“ جمع ہیں، تو اس ضمن میں یہ عرض ہے کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ڈاکٹر سے لندن سے ایک تشہار ہوا تھا۔ اور اُنہوں نے اس بارے میں اپنی رائے لکھ بھیجی، جس سے ظاہر ہے مولانا مودودی کی طرح اور بھی بہت سے علماءِ کرام کو اختلاف ہے۔ اب یقیناً اس پر بحث ہوگی، اور یہ بحث ہونی چاہیے، اور ہر اہل علم کو اس میں حصہ لینا چاہیے۔ اگر رائے عامہ ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تعویب کرے گی تو مشینی ذبیحہ کا حلال ہونا تسلیم کر لیا جائے گا، ورنہ یہ رائے مسترد کر دی جائے گی۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مختلف ذبیحہ کے متعلق علمی بحث ہو تاکہ حقیقت سامنے آ جائے، لیکن افوس ہے مولانا مودودی صاحب نے اس مسئلے پر اپنی بحث کا آغاز ہی سیاسی اشتعال انگیزی سے کیا۔ اور نہ صرف ذریعہ بحث مسئلے کو غلط عنوان دے کر پیش کیا، بلکہ عوام کو اشتعال دلانے کے لئے یہ بھی لکھ دیا :-

”..... اور اس کی بدولت ایک دن ہیں یہ دیکھنا پڑے کہ خود اپنے ملک میں بھی ہمس کو

حلال گوشت میسر نہ آ سکے“

اور مولانا مودودی کا ادارہ تحقیقاتِ اسلامی میں فقہاءِ مجتہدین کے جمع ہونے کی پھبتی، تو اس ضمن میں گزراؤں یہ ہے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے جب سے مولانا کا ماہنامہ ”ترجمان القرآن“ نکل رہا ہے، مولانا اس میں برابر ”فقہی اجتہاد“ فرما رہے ہیں اور اُن کے ان اجتہادات سے علماء کی ایک کافی بڑی تعداد بیزار کی گاہ نظر کر چکی ہے، اور انہیں کسی اعتبار سے بھی اس منصبِ اجتہاد کا اہل نہیں مانتی، جب مولانا اس کے باوجود برابر فقہی اجتہاد فرما رہے ہیں، تو ڈاکٹر فضل الرحمن کے ”فقہی اجتہاد“ پر وہ کس طرح، اگر وہ اُن کی کسی مسئلے کے متعلق علمی رائے دینے کو یہ نام دیتے ہیں، معترض ہو سکتے ہیں۔

اگر مولانا مودودی صاحب کو حق حاصل ہے کہ وہ ”ترجمان القرآن“ کے صفحات پر ”فقہی اجتہاد“ کریں، تو ڈاکٹر فضل الرحمن کو کون سا امر مانع ہے کہ وہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں ”فقہی اجتہاد“ نہ کریں۔ ”دارالافتاء“ تو نہ ادھر ہے نہ اُدھر، آخری فیصلہ تو رائے عامہ کا ہوگا، جسے بالآخر حکومت تسلیم کرے گی۔ اس مقصد کے بعد ہم اصل مسئلے پر آتے ہیں۔

احکام ذبح کا پس منظر

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقیہ کے باب ”کھانے پینے کی اشیاء“ میں لکھتے ہیں:۔ (۴)
اہل جاہلیت جانور کو کسی جگہ باندھ دیا کرتے تھے۔ اور پھر اسے تیردوں کا نشانہ بناتے تھے تا آنکہ وہ مر جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے جانور کو انتہائی اذیت پہنچتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو ذبیحہ کے ساتھ احسان کرو۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی چھری تیز کر لیا کرے اور ذبیحہ کو جلد راحت پہنچائے۔ میں کہتا ہوں: آسان طریقہ سے جان نکان داعیہ رحم کی اتباع اور اظہارِ لطف ہے۔ اور یہ وہ وصف ہے جو رب العالمین کو نہایت ہی پسندیدہ ہے۔ اہل عرب عہدِ جاہلیت میں زندہ اڈٹوں کی کرائیں اور دُونوں اور بکریوں کی چکدیاں کاٹ لیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جانور کے حق میں یہ انتہائی عذاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کا جو حکم شروع فرمایا ہے۔ اس کے سراسر خلاف ہے، لہذا آپ نے اس چیز کو قطعاً ممنوع اور حرام کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص چڑیا یا اس سے کوئی بڑا جانور بلا کسی حق کے مارے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی بازپس کرے گا۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اسے ذبح کرے اور کھائے، ایسا نہ کرے کہ اُس کا سر کاٹ کر الگ پھینک دے۔ (۵)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جانور ضرورت کے لئے ذبح کیا جائے۔ بلا ضرورت ذبح نہ کیا جائے۔ اور یہ کہ بلا ضرورت خواہ مخواہ کسی حیوانی نوع کو تباہ و برباد کرنا قاتلِ قلبی ہے۔ (۶)
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ اسی باب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

”حیوانوں میں بھی انسانوں کی طرح جان ہے، لیکن حکمتِ الہیہ اس امر کی مقفی ہوئی کہ وہ اُن کے لئے حلال ہوں چنانچہ اُن نے انسان کو ان حیوانات پر قابو پانے کی صلاحیت بخشی، اس لئے اُس پر واجب ہوا کہ وہ جانور کا خون بہاتے وقت اور اُس کی جان نکالتے وقت اس انعامِ الہی یعنی اللہ

نے اُسے حیوانات پر قابو پانے کی صلاحیت دی) کو فراموش نہ کرے اور شکر یہ انعام کی یہی صورت ہے جانور کو ذبح کرتے وقت اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ (۷)

ذبح یا سخر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

تمام اہل عرب اور یہود عموماً جانوروں کو ذبح یا سخر کیا کرتے تھے اور مجوسیوں کا دستور یہ تھا کہ وہ جانور کو گلا گھونٹ کر یا اُس کا شکم چاک کر کے مارا کرتے تھے، اور ذبح کرنا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت تھی، اور عربوں اور یہود کے یہاں یہ بطور توارث چلی آرہی تھی۔ اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

”نیز ذبح اور سخر کرنے میں ذبیحہ کو بھی راحت ملتی ہے۔ کیوں کہ جان نکالنے کا یہ آسان ترین طریقہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلع نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فلیرح ذبیحتہ، چاہے کہ اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے اور آنحضرت صلع نے جانور کو نیم بسمل چھوڑنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس کے اندر بھی یہی حکمت ہے۔“ (۸)

غرض انسان کے لئے جانوروں کا (وہ جانور جنہیں شریعت کے حلال قرار دیا ہے) گوشت کھانا زندگی کی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے۔ اب جب کہ جانوروں میں بھی انسانوں کی طرح جان ہے، تو انسان کو چاہیے کہ ایک تو ہر ف کھانے کے لئے جانور کی جان لے، یعنی محض اُسے مارنے کے لئے نہ مارے۔ دوسرے ایسے طریقے سے جان لے کہ جانور کو کم سے کم اذیت ہو۔ اور تیسرے جس اللہ نے اُسے اس قابل بنایا ہے کہ وہ جانور کی جان لے کر اپنی ضرورت پوری کرنا ہے، وہ اُس کا شکر ادا کرے، اور جانور کو ذبح کرتے وقت اُس کا یہ احسان نہ بھولے اور اُس کا نام لے۔

عند الذبح اللہ کا نام لینے پر زور دینے کی حکمت

اسی باب میں عرب کے مشرکین و کفار کا ذکر کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:-

یہ عموماً اصنام اور بتوں کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے، اور ذبیحہ سے اُن کا مقصود بتوں سے تقرب حاصل کرنا ہوتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا ایک سخت قسم کا شرک ہے۔ پس حکمت الہیہ مقتضی ہوئی کہ اس قسم کے شرک کی قطعاً ممانعت کر دی جائے اور اصنام اور بتوں کے لئے جو جانور ذبح کئے جائیں، اُن کے کھانے کو ممنوع اور حرام کر دیا جائے تاکہ سرے سے یہ کام نیست و نابود ہو۔

جائے۔ نیز اس قسم کے ذبح کی قباحت مذبح جانور کے اندر بھی سرايت کر جاتی ہے، جیسا کہ ہم باب صدقات میں بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے بھی اس کے کمانے سے روکنا ضروری تھا۔

نیز یہ کہ طواغیت اور اصنام کے لئے جو ذبح ہوتا ہے، وہ ایک مبہم اور سٹھا اس لئے شارعؑ نے اس کو منضبط کر دیا کہ وہ ایسا ذبیحہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، اور وہ ہے جو تھانوں اور تھانوں پر ذبح کیا جائے (وما ذبح علی النصب) اور وہ ہے جسے مسلمان اور اہل کتاب کے سوا کسی ایسے دین و ملت کا پیرو ذبح کرے جس کے ہاں غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی حرمت و مانعت موجود نہیں ہے۔ اور یہی چیز اس امر کی موجب ہوئی کہ عین ذبح کے وقت اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے، کیوں کہ عین ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے ہی سے حلال و حرام میں ظاہر طور پر فرق و امتیاز ہو سکتا ہے۔ (۹)

شاء دلی اللہ صاحب کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور جو بتوں کے نام سے ذبح کئے جاتے تھے، ان کی پہچان یہ ہوتی تھی کہ اُن پر اللہ کے نام کے بجائے اُن بتوں کا نام لیا جاتا تھا، جن کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اُن جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنے کا سد باب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمایا کہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام پڑھنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ جو جانور بتوں کے نام پر تھانوں میں ذبح ہو، وہ حرام ہے، اور اُس کا کھانا منوع ہے اور اُس کی ظاہری علامت یہ ہوگی کہ اُس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہوگا۔

اسی بات کے پیش نظر سید رشید رضا نے اپنی تصنیف ”تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ“

الجزء اول ص ۷۱ - ۷۲ میں لکھا ہے :-

”جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ذبح شرعی (التذکیہ الشرعیۃ) کی تمام انواع پر جامع قاعدہ عمومی یہ ہے کہ حیوان کی جان اُسے کھانے کی غرض سے لی جائے۔ اور اس کے لئے صرف ایک دینی شرط ہے اور وہ یہ کہ وہ غیر اللہ کے نام سے ذبح نہ کیا گیا ہو۔ کیوں کہ یہ فسق ہے، خواہ اُس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہو، یا بت پرست مشرک جو تھانوں (نصب) پر بتوں کے نام سے ذبح کرتے تھے۔ بعض صحابہ نے اہل کتاب کے ایسے ذبیحہ کے کھانے سے منع کیا ہے۔ جو غیر اللہ کے لئے ذبح کیا گیا۔ بہر حال یہ بحث ”تسمیہ“ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ اور یہ کہ جمہور اس کے خلاف ہیں۔ ہم اس کا ذکر

کر چکے ہیں کہ غیر اللہ کے لئے ذبیح کی حرمت کی آیات سکتی ہیں۔ اور اس حرمت کی وجہ دینی ہے، جس کا تعلق خالص توحید سے ہے۔ (۱۰)

طعام اہل کتاب

سورہ المائدہ میں ارشاد ہوا ہے: «الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لہم» (۵)۔ آج کے دن تمہارے لئے اچھی چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا طعام جنہیں کتاب دی گئی، تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے لئے حلال ہے۔ (جمہور مفسرین نے طعام کے معنی ذبیحے اور گوشت کے لئے ہیں۔) (تفسیر المنار، الجزء السادس، ص ۱۷۷)۔ (۱۱)

- سید رشید رضا آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مشرکین عرب کے ہاں مردہ جانور، اور وہ جانور جو پوٹ سے یا گر کر یا گلا گھونٹنے سے مرے ہوں یا بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے ہوں یا اس طرح کے جوار و محرمات تھے، ان کو کھانے کا طریقہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے سے سختی سے منع کیا تاکہ نئے نئے مسلمان ہونے والے اس بارے میں اپنی عادت کی بنا پر تساہل سے کام نہ لیں، اور اہل کتاب مردار اور ذبیحہ غیر اللہ کے کھانے میں مشرکین عرب سے دور تھے، نیز یہ کہ سیاست دینی یہ تھی کہ مشرکین عرب کے معاملے پر سختی کی جائے تاکہ جزیرہ عرب میں کوئی ایسا مشرک نہ رہے جو اسلام میں داخل نہ ہو جائے۔ اور اہل کتاب کے معاملے میں ان کی استمالات (استمالات) کے لئے نرمی کی۔ (۱۲)، (تفسیر المنار الجزء السادس ص ۱۷۸)

اس ضمن میں ابن جریر نے ابوالدرداء اور ابن زید سے روایت کی ہے کہ ان دونوں سے ان ذبیحوں کے بارے میں پوچھا گیا جو اہل کتاب اپنے کینسوں کے لئے ذبیح کرتے ہیں، انہوں نے اُسے کھانے کے حق میں فتوے دیا۔ ابن زید کہتے ہیں:-

”اللہ نے ان (اہل کتاب) کا طعام ہمارے لئے حلال ٹھہرایا ہے، اور اس میں کوئی استثنیٰ انہیں رکھا۔“ (۱۳)

ابوالدرداء سے ایک منڈھے کے بارے میں پوچھا گیا جو جس نام کے کنبے کے لئے ذبیح

کیا گیا اور اُس کے لئے حدیث پیش کیا گیا تھا کہ آیا اُسے ہم کھائیں۔ ابو الدرداء نے سائل سے کہا۔ وہ اہل کتاب ہیں۔ اُن کا طعام ہمارے لئے حلال ہے اور ہمارا طعام اُن کے لئے، اور انہوں نے اسے کمانے کا حکم دیا۔ (۱۴)

سید رشید رضا، آیت ”طعام الذین اوتوا کتاب حل لکم“ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:-
اس آیت کی تفسیر میں کتاب ”فتح البیان فی فہم مقاصد القرآن“ میں یہ آیا ہے،

”حاصل مراد یہ ہے کہ (اہل کتاب کے) ذبیحہ کی حالت میں اپنے فرد کے (اہل کتاب کے ساتھ)

مناکحت کے تابع ہے۔ طعام وہ ہے جو کھایا جائے، اور اس میں ذبیحہ داخل ہے۔ اکثر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ یہاں طعام ذبیحے سے مخصوص ہے اور الخازن نے اس کو ترجیح دی ہے۔ اور یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گوشت وغیرہ کی قسم کے اہل کتاب کے تمام کھانے مسلمانوں کے نزدیک حلال ہیں، اگرچہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام نہ لیتے ہوں۔ اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول کی:

”ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ“۔ جو عمومی ہے تخصیص کرتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحے حلال ہیں، اگرچہ یہودی نے اپنے ذبیحہ پر عزیر کا اور نصرانی نے اپنے ذبیحہ

پر مسیح کا نام لیا ہو۔ ابو الدرداء، عبادہ بن صامت، ابن عباس، الزہری، شعبہ، شعبی اور یحییٰ کی یہ رائے ہے۔ علیؓ، عائشہؓ اور ابن عمرؓ کا قول ہے کہ جب تم کتابی کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیتے سنو تو نہ کھاؤ۔ طاؤس اور الحسن کا یہ قول ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل لی ہے ”ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ“۔ اور اس آیت سے ”وما اهل به لغير الله“

مالک کا قول ہے کہ ایسا ذبیحہ مکروہ ہے حرام نہیں، شعبی اور عطاء سے اس کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا، ایسا ذبیحہ حلال ہے، کیوں کہ اللہ نے اُن کے ذبیحے حلال ٹھہرائے ہیں اور اللہ جانتا تھا کہ وہ ذبح کرتے وقت کیا پڑھتے ہیں۔ یہ اختلاف اُس وقت ہے جب ہم جائیں کہ اہل کتاب نے اپنے ذبیحوں پر غیر اللہ کا نام لیا ہے۔ لیکن مدد علم کی صورت میں الکلبی الطبری اور ابن کثیر کے نزدیک اس آیت کے مطابق اُن کے حلال ہونے پر جامع ہے۔ سنت میں وارد ہوا ہے کہ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بھونی ہوئی بکری صدیے میں پیش کی اور آپ نے اُسے کھایا.....: (۱۵)

شیخ محمد عیدہ مفتی مصر نے اپنے فتوے میں جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ان حوالوں کے بعد لکھا

تھا۔ آیت ”الیوم اھل لکم الطیبات و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم“ کا موار اور ”ما اھل لغیر اللہ بہ“ کے حرام ہونے کی آیت کے بعد آنا اس خیال کو رفع کرنے کے لئے تھا کہ چون کہ اہل کتاب (عیسائی) الوہیت علیٰ پر اعتقاد رکھتے ہیں اس لئے اُن کا طعام کہیں حرام نہ سمجھ لیا جائے..... اہل کتاب کا لفظ مطلق ہے اور اسے ایک مختصر سی جماعت پر منطبق کرنا صحیح نہیں۔ غرض یہ آیت اہل کتاب کے طعام کے حلال ہونے کی مطلقاً صراحت کرتی ہے، جیسا کہ وہ اُسے اپنے دین میں حلال سمجھتے تھے۔ اور یہ اس لئے کہ اُن سے معاشرتی تعلقات قائم کرنے اور اُن سے معاملہ کرنے میں رکاوٹ دُور ہو سکے۔ (۱۶)

ذبیحہ پر ”تسمیہ“ واجب ہے یا مستحب؟

مولانا مودودی صاحب نے اپنے مضمون میں جو ”نوائے وقت“ میں شائع ہوا ہے، لکھا ہے:-
 ”میسری تہ قرآن حکیم میں یہ لگائی گئی ہے کہ جانور کو قتل کرنے کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا جائے..... (اس کے ثبوت میں مولانا نے آیات قرآنیہ کا ترجمہ دیا ہے)..... یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ قرآن کی نگاہ میں ذبح کرنا اور اللہ کا نام لینا دونوں ہم معنی ہیں۔ اور اللہ کا نام لینے کے بغیر حلال ذبیحہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا.....“
 یہ مولانا مودودی صاحب کا ارشاد ہے۔ اب اس کے خلاف صحابہ تابعین اور علماء مجتہدین سے جو مروی ہے، وہ ملاحظہ ہو:-

آیت وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَاِنَّهُ لَفَسَقٌ (الانعام - ۱۲۱) کے ضمن میں القرطبی کہتے ہیں:- ”اگر وہ تسمیہ عمداً یا بھول چوک میں ترک کر دے، تو ایسے ذبیحہ کو کھالے۔ یہ قول ہے شافعی اور الحسن کا۔ اور یہی روایت ہے ابن عباس، ابو ہریرہ، عطاء، سعید بن المسیب، الحسن، جابر بن زید، عکرمہ، ابو عیاض، البرافع، طاؤس اور ابراہیم النخعی، عبد الرحمن بن ابی سلی اور قتادہ سے۔ الزہرا ہادی مالک بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے کہا:- وہ ذبیحہ جس پر تسمیہ عمداً یا بھول سے ترک ہو جائے، اُسے کھالیا جائے، اسی طرح ربیعہ سے بھی روایت ہے۔ عبد الوہاب نے کہا:- تسمیہ سنت ہے، جب ذبح کرنے والا بھول کر اسے ترک کر دے تو مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک اُسے کھالیا جائے۔ (۱۷)

اسی طرح فقہ شافعی کا ایک فتویٰ ہے: ”پس اگر تسمیہ ترک ہو جائے خواہ عمداً ہی، تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کی رو سے ”و طعام الذین ادتوا الكتاب حلکم“ اہل کتاب کے ذبیحے مباح قرار دیئے ہیں درآں حالیکہ وہ (اہل کتاب) ذبح کے وقت تسمیہ نہیں پڑھتے۔ باقی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ“ تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ذبیحے جن پر غیر اللہ کا نام پڑھا جائے یعنی جو بتوں کے لئے ذبح کئے جائیں، اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ”وما اهل لغير الله به“ سے ہوتی ہے۔ خود سیاق آیت اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وانه لفسق“ اور وہ حالت جس میں یہ فسق ہوتا ہے، وہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا ہے۔ ابو حنیفہ کا قول ہے کہ تسمیہ کا عمداً ترک کرنا ذبیحہ کو حرام کر دیتا ہے۔ (۱۸)

الطبری نے بھی اپنی تفسیر میں اس مسئلے پر بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اہل کتاب کا طعام حلال اور ان کے ذبیحے صحیح طرح ذبح شدہ (ذکیۃ) ہیں۔ اور جو چیز مومنین پر اللہ تعالیٰ کے اس قول ”ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ“ کے مطابق حرام کی گئی ہے، وہ اس سے الگ ہے۔ بات یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر مردار، اُس سے متعلق چیزیں، اور وہ ذبیحے جو بتوں کے نام سے ہوں، حرام کئے ہیں، اور اہل کتاب کے ذبیحے صحیح طرح ذبح شدہ (ذکیۃ) ہیں، خواہ وہ ان پر تسمیہ پڑھیں یا نہ پڑھیں کیوں کہ وہ اہل توحید اور اصحاب کتب اللہ ہیں۔ اور ان کے احکام کو مانتے ہیں۔ وہ (اہل کتاب) اپنے ادیان کے مطابق ذبح کرتے ہیں۔ جیسے مسلمان اپنے دین کے مطابق ذبح کرتا ہے۔ خواہ وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے لیکن اگر وہ ذبح کرتے وقت تسمیہ اس لئے چھوڑ دے کہ وہ اللہ کے سوا کسی دوسری چیز کی عبادت کرتا۔ اور اُس کی عظمت کا قائل ہے۔ تو اس صورت میں خواہ وہ اللہ کا نام لے یا نہ لے، اُس کے ذبیحے کا کھانا حرام ہوگا۔

سید رشید رضا اس پر تعلیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الطبری کی مراد یہ ہے کہ اس طرح تسمیہ ترک کرنا بالکل دین سلوی کو ترک کرنا اور بت پرستی میں داخل ہونا ہے۔ اور ایسا کربانوں کے نام پر ذبیحہ کرنے کے تحت آجاتا ہے۔

اہل کتاب کی طرف سے ذبیحہ پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، اس بحث کو سید رشید رحمان نے

یوں غم کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

”اور جو کچھ گزر چکا ہے، اس کا منہس یہ ہے کہ کتاب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اہل کتاب کا طعام (ذبیحہ) مطلقاً مباح کیا ہے۔ اور اس میں یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ ذبیحہ (التذکیہ) میں احکام اسلام پر چلیں۔ اور سلف اور خلف میں اکثر مسلمانوں نے اسی اطلاق کو لیا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ نے اہل کتاب کا ذبیحہ کیا ہوا گوشت کھایا، جو انہوں نے پکایا تھا..... البتہ خلفیہ کے اہل یہ شرط ہے کہ کھانے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ اُس کے سامنے جو گوشت پیش کیا جا رہا ہے، اُس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں لیا گیا.....“

اس ضمن میں شیخ رشید رضا نے قاضی ابو بکر بن العربی کی کتاب ”احکام القرآن“ سے فتاویٰ جو صوف کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے، جو آیت ”الیوم احل لکم الطیبات و طعام الذین ادتوا الكتاب حل لکم“ کی تفسیر کرتے ہوئے دیا ہے۔ (۲۱) جس کا ترجمہ یہ ہے:-

”یہ اس امر پر دلیل قاطعہ ہے کہ شکار اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے، اُن کا طعام جو کہ اُن اچھی چیزوں (طیبات) میں سے ہو، جو اللہ نے مباح کی ہیں۔ حلال مطلق ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کو مکرر بیان کیا ہے تو یہ ان فاسد طبائع کے رفع شکوک اور ازالہ اعتراضات کے لئے ہے جو اعتراضات کرتی اور لمبی باتیں بناتی ہیں۔ مجھ سے ایک نصرانی کے بارے میں پوچھا گیا جو مرغی کی گردن مردہ تھامے (نیفل عنق الدجاجہ) اور پھر اُسے پکاتا ہے۔ کیا اُس کے ساتھ اسے کھایا جائے یا اُس سے کیا وہ طعام کے طور پر لی جاسکتی ہے؟ اور یہ آٹھواں مسئلہ ہے۔ میں نے جواب دیا۔ ہاں وہ کھائی جائے کیوں کہ یہ اُس کا طعام (ذبیحہ) اور اُس کے اجلہ در بیان کا طعام ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں اس طرح ذبیحہ (ذکاة) نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن (اہل کتاب) کا کھانا مطلقاً ہمارے لئے مباح کیا ہے۔ اور اس بارے میں جو بھی وہ اپنے دین میں پاتے ہیں، وہ ہمارے لئے حلال ہے۔ سوائے اُن چیزوں کے جن میں اللہ نے اُن کی تکذیب کی ہے۔ اور ہمارے علماء کا قول ہے:-

بے شک وہ (اہل کتاب) ہمیں ہماری بیویوں کے طور پر اپنی عورتیں دیتے ہیں اور ہمارے لئے اُن سے زنا و شہوانی تعلقات قائم کرنا حلال ہے، تو پھر ہم کیسے اُن کے ذبیحے نہ کھاتے اور کھانا تو بہر حال حلال اور حرمت کے معاملے میں زنا و شہوانی تعلقات (الوطء) سے کم درجے پر

ہی ہے۔

اس سلسلے میں سرسید احمد خان مرحوم نے اپنی تفسیر میں قاضی ابن العربی اور ابو عبد اللہ العجاری کا مذہب نقل کیا ہے (۲۲) جو یہ ہے: ”اگر عیسائی مرغی کی گردن مروڑ کر توڑ ڈالے تو اس کا کھانا مسلمان کو درست ہے“ اور اُن کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے:-

”طیور منخنقہ بفعل الانسان کا یہ حال نہیں ہے اور یہ کہنا کہ بسبب عدم اخراج دم اُن کا حال بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ بہائم منخنقہ کا۔ ایک محض مکابرہ و جدال ہے۔ کیوں کہ جو خون کہ بہائم میں ہے، مقداراً اور مائتاً جس کے عدم اخراج سے تغیر نفس بہائم مذکور میں واقع ہوتا ہے۔ کوئی سلیم العقل نہیں قبول کر سکتا کہ ویسا ہی طيور میں ہے..... مچھل اور دریائی جانوروں میں بھی خون ہے مگر وہ طيور سے بھی زیادہ، مختلف الاجزاء مختلف التکریب ہے پس جو امر کہ بہائم میں ہے اُس کا قیاس طيور پر صحیح نہیں ہے اور اس لئے حرمت طيور منخنقہ کی اُن کی عین ذات سے متعلق نہیں ہے.....“

سید رشید رضا نے تفسیر المنار میں آیت ”واذکروا اسم اللہ علیہ“ (سورہ المائدہ) اور آیت (ولاتاکلوا مما یذکر اسم اللہ علیہ وانه لفسق) کے ذیل میں ”تسمیہ“ کے بارے میں یہ لکھا

ہے:-

”تسمیہ کے معاملے میں علماء میں اختلاف ہے، کیوں کہ اس کے متعلق کوئی صریح نص نہیں جس پر سلف کا اجماع ہو۔ ابی جریر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس آیت (واذکروا اسم اللہ علیہ) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے:- جب تم شکار کے لئے اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑ دو بسم اللہ کہہ لو اور اگر تم یہ بھول جاؤ تو کوئی حرج نہیں۔ پس وہ سمجھتے تھے کہ شکار کے لئے کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ ابو ہریرہؓ سے بھی جیسے اوپر گزرا، ایسا ہی موسیٰ ہے۔ اور طاؤس سے بھی۔ البخاری، النسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بعض لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہم نہیں جانتے ہوتے کہ اس پر انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: تم اس پر اللہ کا نام لے لو اور کھاؤ۔ روایت ہے کہ انہیں اسلام لائے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا۔ (۲۳) ہم نے جو اوپر کہا ہے، اس سے

اُس کی تائید یوں ہے کہ اس آیت سے ظاہر مراد یہ ہے کہ اس میں کھانے کے وقت (عند الاكل) بسم اللہ پڑھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ باقی رہے فقہاء اعداد، تو ان میں سے شافعی نے کہا ہے کہ ذبیحہ بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے، نہ یہ واجب ہے، اور نہ شرط ہے، اور ابو حنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک جیسا کہ آخر الذکر سے مشہور ہے، ذبیحہ بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ اور مجہول چوک میں حرج نہیں۔ اور احمد بن حنبل سے روایت ہے کہ یہ مطلقاً واجب ہے.....“

ابن جریر اس آیت (ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانه لفسق) (۶-۱۶۱) کے بارے میں روایات بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:-

”اس میں صیحیح (۶۴) بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس سے اللہ کی مراد یہ ہے کہ وہ جانور جو بتوں اور دیوتاؤں کے لئے ذبح کئے جاتیں، یا جو مرجائیں، یا جو مر جائیں، یا جو مر جائیں، اور جس نے یہ کہا کہ اس سے اللہ کی مراد یہ ہے کہ وہ جانور جسے مسلمان نے ذبح کیا اور وہ اللہ کا نام لینا بھول گیا، تو یہ بات شاذ ہونے اور ایسے ذبیحہ کے حلال ہونے پر حجت جامع کے ہونے کی بنا پر صواب سے دُور ہے۔ باقی رہا اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ وہ فسق ہے (وانه لفسق)، تو اس سے مراد مُردار جانور اور ایسے جانور کا بغیر اللہ کے لئے ذبح کیا گیا ہو، اور اُس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو، گوشت کھانا ہے“

ذبح کا شرعی طریقہ

مولانا مودودی صاحب نے اپنے مضمون شائع کردہ ”نوائے وقت“ میں ”ذبح کا صیحیح طریقہ کیا ہے؟“ پر بھی بحث کی ہے، لکھتے ہیں:-

”اس کی تفصیل قرآن میں بیان نہیں کی گئی۔ احادیث میں بیان کی گئی ہے، اور وہ یہ ہے:-

مولانا نے اس مضمون کی دو حدیثیں ایک دوسری طبرانی کی نقل کی ہیں۔ اور اس کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے:-

”اب چون کہ قرآن حکیم نے اپنے حکم کی خود کوئی تشریح نہیں کی ہے۔ اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بھی تشریح ثابت ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ قرآن کی بیان کردہ شرط ذبح سے یہی طریقہ مراد ہے۔ اور جس جانور کو یہ شرط پوری کئے بغیر ہلاک کیا گیا ہو، وہ حلال نہیں ہے۔“

سورہ المائدہ کی اُس آیت میں جہاں المستیة، الدم اور لحم الخنزیر وغیرہ حرام کئے گئے ہیں

”الاما ذکیتم: آیا ہے۔ سید شیر رضا نے اپنی تفسیر المنار، جزو اساس ص ۱۴۳۔ ص ۱۴۴ میں —
الزکاء والزکاة والتذکیة والاذکاء پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اُن کی اس بحث کا خلاصہ مطلب
یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ (۲۵)

”اور چون کہ غالب طور پر چھوٹے حیوانات کے لئے جن پر قابو پایا جاسکتا ہے، تذکیہ (لغت میں
الذکاء کے معنی اتمام اشقی ہے۔ اما ذکیتم سے مراد ذبح علی التمام ہے۔ تفسیر المنار) کا عام طریقہ
ذبح ہے۔ اس لئے تذکیہ کے لئے ذبح کی تعبیر کثرت سے ہونے لگی۔ چنانچہ فقہاء نے ذبح ہی کو اصل
قرار دے دیا اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ معنایاً مقصود بالذات ذبح ہی ہے۔ اور اسی سے بعض نے ذبح کو
شرعی حیثیت دینے کی تعلیل کی کیوں کہ اس طرح بدن سے خون نکل جاتا ہے، جس کا باقی رہنا، بوجہ
اُس کی رطوبات اور فُضَل کے، نقصان دہ ہے۔ اسی لئے فقہاء نے حلق، حلق کی دو بڑی رگیں (دوجین) اور
المرئی (شاہ رگ کے پاس کی رگ) رگ کا قطع کرنا ذبح کے لئے شرط قرار دیا۔ گو ان شروط میں
اُن میں باہم اختلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ طب اور شرع میں بغیر دلیل کے ایک طرح کا حکم یعنی
زیادتی ہے، اور اگر وہی بات ہوتی جو ان فقہاء نے کہی ہے تو شکار کبھی حلال نہ ہوتا جسے شکاری کتا (الجباح)
مردہ حالت میں لاتا ہے۔ اسی طرح تیر اور معراض (تیر کی ایک قسم) جب وہ شکار کو چھیدتے ہیں، ان کا
شکار حلال نہ ہوتا۔ کیوں کہ جس طرح ذبح سے زیادہ خون نکلتا ہے، چھیدنے سے نہیں نکلتا۔

”صحیح بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے لئے ”التذکیة“ کی تمام انواع میں سب سے سہل ذبح ہی
تھا اور اب بھی بلکہ ہے، اسی لئے انہوں نے اُسے ہی اختیار کیا اور شرع نے بھی اُن کے لئے اُس
طریقے کا اثبات کیا، کیوں کہ جان لینے کے جو دوسرے طریقے ہیں، اُن میں حیوان کو جو اذیت ہوتی ہے،
وہ اس میں نہیں ہوتی۔ اور اس طرح شرع نے شکاری کتوں، تیروں اور معراض وغیرہ سے شکار
کرنے کی لوگوں کو اجازت دی۔

”اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ”التذکیہ“ کے کسی ایسے طریقے کی اطلاع
ہوتی، جو حیوانوں کے لئے زیادہ سہل ہوتا اور اُس میں کوئی ضرر نہ ہوتا جیسے کہ پہلی سے التذکیہ کا
طریقہ ہے، بشرطیکہ اُس میں یہ بات ہو جو میں نے بیان کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسے ”ذبح“
پر فضیلت دیتے۔ کیوں کہ آپ کی شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگوں پر وہی چیز حرام کی جاتی ہے،

جس میں اُن کو یا جو دوسرے زندہ ہیں، اُن کو ضرر پہنچتا ہو۔ اور چوٹ مار کر (دقذ) حیوان کو اذیت دینا اور اس طرح کے جو دوسرے طریقے ہیں، اُن میں ضرر ہے۔“
اس کے بعد سید رشید رضا نے اس طرح کے اُمور کے بارے میں اصولی بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

”کھانے اور لباس کی عادات کے جو اُمور ہیں، وہ ”تعبدی“ نہیں، یعنی یہ کہ ان امور کے اقرار و اثبات کی حیثیت لوگوں کے لئے اللہ کی عبادت کی ہو۔ یقیناً عبادت کے جو احکام ہیں، اُن پر تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصوص دلالت کرتی ہیں۔ اور کسی مسئلے کے بارے میں شارع کی کیا مراد ہے اور اُس کے پیش نظر کیا حکمت ہے، اُسے صرف اسی طرح جانا جاتا ہے کہ اُس کے متعلق جو کچھ بھی وارد ہوا ہے سب کے سب کو سمجھا جائے، اب اگر عادات میں سے کسی چیز پر لوگوں کا اقرار و اثبات اور اُس چیز کو شارع کا اختیار کرنا اُس کے ”تعبدی“ یعنی عبادت ہونے کی حجت ہو تو مسلمانوں پر منجی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکل و شرب اور سونے کی کیفیت کا اتباع واجب ہوتا، بلکہ اس سے بھی واجب تر ہونے کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صفات تھیں، اُن کو ہوتا، اور اس کی وجہ سے مسجدوں میں فرش بچھانا اور اُس میں چراغ وغیرہ رکھنا حرام ہوتا۔“

اس سب بحث سے سید رشید رضا نے آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے، وہ لکھتے ہیں:-
”التذکیہ“ کے بارے میں جو کچھ بھی وارد ہوا ہے، اُس سب پر ہم نے غور و تامل کیا ہے، چنانچہ ہم اُس سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غرض یہ ہے کہ جہاں تک استطاعت ہو، جانور کو اذیت سے بچایا جائے۔“ (۲۶)

ایک اشکال

قاضی ابوبکر بن العربی کے اس فتوے پر جو اوپر گزر چکا ہے، کہ ”اللہ نے اہل کتاب کا طعام مطلقاً ہمارے لئے مباح کیا ہے۔“ ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اہل کتاب میں سے عیسائی خنزیر کھاتے ہیں، تو کیا اس صورت میں اُن کا یہ طعام ہمارے لئے مباح ہوگا۔

سید رشید رضا نے شیخ محمد عبدہ کی سوانح عمری میں اس اشکال کو یوں رفع کیا ہے: (۲۷)
”اگر غور کیا جائے تو ابن العربی کے قول میں کوئی اشکال نہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ نے

اُن (اہل کتاب) کا طعام (ذبیحہ) جسے وہ اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں، اور جو طریقہ بھی اُسے ذبح کرنے (ذکاة) کا اُن کے لئے مباح کیا گیا ہے، اُس کے مطابق ذبح کرتے ہیں، ہمارے لئے اُس کا کھانا مباح کیا ہے۔ اور اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ اُس ذبح کئے ہوئے جانور کو اُسی طریقے پر ذبح (ذکاة) کیا گیا ہو، جیسے ہمارے ہاں ذبح کیا جاتا ہے۔ اس میں مستثنیٰ صرف وہ طعام (ذبیحہ) ہے، جسے اللہ سبحانہ نے ہمارے لئے حرام ٹھہرایا ہے، جیسے بالخصوص خنزیر اور وہ مردار جو کھانے کے قصد سے قتل نہ کیا گیا ہو باقی وہ طعام جو بالخصوص ہمارے لئے حرام نہیں ٹھہرایا گیا تو وہ اُن (اہل کتاب) کے باقی تمام طعاموں (ذبیحوں) کی طرح مباح ہے۔ وہ تمام حیوانات جنہیں ذبح کرنے (ذکاة) کی ضرورت ہوتی ہے، پس اگر اُن کو اُن (اہل کتاب) کے دین کے مطابق ذبح کیا جائے، تو اُن کا کھانا ہمارے لئے حلال ہے۔ اور اس میں یہ شرط نہیں کہ اُن (اہل کتاب) کا ذبح کا طریقہ (ذکاة) ہمارے ذبح کے طریقے (ذکاة) سے موافقت رکھتا ہو۔ اور یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے اور ہمارے لئے سہولت کی گئی ہے۔

اس کے بعد سید رشید رضا اس مسئلے کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-
 ”جب خود ہماری شریعت میں ذکاء (جانور کو کھانے کے لئے مارنے) کے طریقوں میں اختلاف ہے، پس بعض جانوروں کے لئے ”ذبح“ ہے، بعض کے لئے ”نحر“ اور بعض کے لئے ”عقر“، اور بعض کا سر کی طرح کا یا اُس سے مشابہ عضو کا ٹھا جیسے کہ ٹڈی کا، اور بعض کو گرم پانی میں ڈالنا جیسے کہ حلزون کو (صدف میں چھوٹا سا جانور ہوتا ہے) غرض جب حیوانات کو کھانے کے لئے قتل کرنے کے متعلق ہمارے ہاں یہ اختلاف ہے، تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہمارے علاوہ کسی دوسری ملت میں ذکار رکھانے کے لئے حیوان کو ذبح کرنے، کے سلسلے میں حیوان کی گردن قطع کرنے کو مشروع کیا گیا ہو، جب ایک کتابی (اہل کتاب) کا فرد اسے حلال سمجھتا ہے، تو جیسا کہ ہمارے رب نے ہمیں اجازت دی ہے، ہم اُس کا طعام کھا سکتے ہیں۔ اور ہمارے لئے یہ لازم نہیں کہ ہم اُن (اہل کتاب) کی شریعت کی چھان بین کریں۔ بلکہ اگر ہم اُس دین والوں کو دیکھیں کہ وہ اسے حلال سمجھتے ہیں تو ہم اُسے کھائیں جیسا کہ قاضی ابو بکر بنی العربی نے کہا ہے کہ یہ اُن کے احبار و رہبان کا طعام ہے۔“
 اس کے بعد سید رشید رضا لکھتے ہیں:-

اس مسئلے میں اشکال اس لئے واقع ہوا کہ ہمارے ہاں جس حیوان کی پوری گردن قطع کر دی جائے، اُس کا کھانا مباح نہیں سمجھا جاتا، بلکہ وہ مردار (میتہ) کے حکم میں آ جاتا ہے، اس کی وجہ سے ایسے جانور کو کھانے سے طہائے متفرق کرتی ہیں۔ پس جب قاضی ابو بکر بن العربی نے اہل کتاب کے طعم (ذبیحہ) کے مباح ہونے کا فتویٰ دے دیا، تو یہ اشکال رفع ہو گیا۔

یہ بحث کافی طویل ہے۔ اور سید رشید رضا نے تفسیر المنار میں اور اسی طرح اپنے اُستاد کی سوانح عمری میں اس کے متعلق کافی روایات اور علماء کی آراء جمع کر دی ہیں، جنہیں اگر ضرورت پڑی تو ہم تفصیل سے پیش کر دیں گے۔

استدراک

یہاں پاکستان میں مشینی ذبیحہ کی حالیہ بحث کوئی ڈھائی سال قبل مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے دینی و علمی ماہنامہ ”بینات“ میں شروع ہوئی تھی، اس ماہنامہ کے فروری ۱۹۶۵ء کے شمارے میں ”اہل یورپ کے ذبیحہ اور غذاؤں کے متعلق استفتاء اور اُس کا جواب“ چھپا تھا۔ یہ استفتاء جنیوا (سوئٹزرلینڈ) کے ”اسلامی مرکز“ سے آیا تھا۔

استفتاء کا خلاصہ یہ ہے: ”یورپین ممالک میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے رائج الوقت ذبیحہ کے متعلق شریعت اسلامیہ کے احکام کی روشنی میں جناب والا کی کیا رائے ہے؟ مسلمانوں کے لئے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ (اس مسئلہ میں علماء کے اقوال و آراء بہت مختلف ہیں۔ چنانچہ (بینات - ماہ فروری ۱۹۶۵ء)

اس کے بعد اسی استفتاء میں استفتاء کرنے والوں نے بتایا ہے کہ

(۱) بعض علماء کہتے ہیں کہ ”موجودہ یہودیوں اور نصاریٰوں کا ”کھانا“ (ذبیحہ) مسلمانوں کے لئے

سے یہ ”اسلامی مرکز“ جماعت اخوان مسلمون کا ہے، اور یہاں سے ”السلون“ کے نام سے ایک مجلہ عربی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ اخوان مسلمون کو دنیا بھر کی ”اسلامی جماعت“ سمجھا جاتا ہے۔ ان دونوں جماعتوں کے مبادی، اصول، طرق کار یہاں تک کہ لٹریچر بھی ایک سا ہے۔ اور دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی کتابوں اور افکار و آراء سے استفادہ کرتی ہیں۔

حلال نہیں اور نہ ہی یہ وہ اہل کتاب ہیں جن کا ذبیحہ اور عورتیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے حلال کی ہیں۔“

(۲) ”اس کے برعکس بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آج کل کے یہودی اور نصرانی بھی وہی اہل کتاب ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے۔ اور جن کا طعام (ذبیحہ) ہم مسلمانوں کے لئے حلال کیا ہے.....“

(۳) ”بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ان اہل کتاب سے (جن کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا ہے) وہ لوگ مراد ہیں، جو جانوروں کو ذبح کرنے میں اپنے آباء و اجداد کے اسی طریق پر قائم ہیں جو نزول قرآن کے وقت جب کہ مسلمانوں کے لئے اُن کے کھانے (ذبیحے) حلال کئے گئے تھے، اُن میں رائج تھا (لہذا آج کل جو یہودی اور نصرانی اسی طریق پر جانور ذبح کرتے ہیں) جو بعینہ اسلامی طریق ہے) اُن کا ذبیحہ تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے اور جو لوگ جدید طریقوں سے رشتینوں یا بجل وغیرہ کے ذریعہ جانور کو ہلاک کرتے ہیں، اُن کا کھانا جائز نہیں۔“

(۴) ایسے بعض علماء بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ ان یورپین اقوام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو جانوروں کو اس طرح ہلاک کرتے ہیں کہ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلتا..... اس لئے اُن کے حلال ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

(۵) ”بعض علماء کہتے ہیں کہ یورپ میں تو بعض ملک ایسے بھی ہیں جہاں زمرہ جانور کو (ذبیحہ یا ہلاک کرنے کے بجائے انجکشن دے کر) مرنے اور بے حس کر دیتے ہیں تاکہ ذبیحہ یا کاٹنے کی تکلیف اس کو نہ ہو، لیکن یہ کیفیت وقتی ہوتی ہے۔ اس سے جانور ہلاک نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر اس بے حس کی مقررہ مدت کے اندر اس کو ذبیحہ کیا یا کاٹا نہ جائے تو یہ کیفیت جاتی رہتی ہے اور زندگی کے آثار لوٹ آتے ہیں (تو ایسی صورت میں اس جانور کا کیا حکم ہے)۔ (بینات فروری

۶۵ء۔ ص ۲۱-۲۲-۲۳)۔

”اسلامی مرکز“ جینوا کا یہ استفادہ تھا۔ اور حضرت الشیخ العلامة مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم پاکستان) کا جواب ایک تو اجمالی جواب ہے۔ اور دوسرا ”تفصیلی جواب اور اس کے ملاحظہ ہیں۔ یہاں مفتی صاحب کا ”اجمالی جواب“ پورے کا پورا دیا جا رہا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:-

عبد ضعیف کے جواب کا خلاصہ تو تین فقرے ہیں :-

(۱) اللہ تعالیٰ کے قول و طعام الذین اؤتوا الكتاب حلّ لکم میں اہل کتاب سے عام اہل کتاب یہودی و نصرانی مراد ہیں۔ یہ آیت کریمہ صرف ان اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں جو اپنے حقیقی دین پر قائم اور اصل کتاب پر کار بند ہوں۔

(۲) طعام اہل کتاب سے مراد وہ کھانا ہے جو ان کے دین میں بھی حلال ہو اور اسلام میں بھی حلال ہو۔ لہذا مرا ہوا، گلا گھونٹ کر یا گردن توڑ کر ہلاک کیا ہوا جانور مسلمانوں کے لئے حلال نہ ہوگا۔ اگرچہ اہل کتاب اس کو حلال سمجھتے اور کھاتے ہوں۔

(۳) اہل کتاب کے اُن ذبیحوں کا گوشت جن پر (قصداً) اللہ کا نام نہ لیا ہو یا غیر اللہ کا نام لیا ہو، عام صحابہ، تابعین اور کبار ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک نفس قرآن حرام ہے۔ ہاں بعض تابعین اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک ایسے ذبیحہ کا گوشت کھانا حلال ہے، لیکن امام غزالی علیہ الرحمۃ نے امام شافعیؒ کے اس قول کو غرقِ اجاع (اجماع اُمت کو توڑنا) قرار دیا ہے۔

سے مفتی صاحب نے اپنے ”تفصیل جواب“ میں ایک جگہ لکھا ہے :- ”..... لیکن ذبیحے کے احکام یہاں مذہب میں ہم آج تک بعینہ وہی موجود پاتے ہیں، جو نصوص قرآن کے موافق و مطابق ہیں۔ ان میں مطلق تغیر و تبدل نہیں کیا بلکہ وہ اب بھی انہی احکام کے معتقد اور پابند ہیں۔ چنانچہ جو مطبوعہ انجیل آج بھی پسیائیوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اُس کے کتاب اعمال حواریں باب ۱۵ آیت ۲۰ و ۱۹ میں ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں لکھا ہے :-

(۱) بلکہ میرا حکم ان غیر نصرانی اقوام کے متعلق جو خدا کو مانتی ہیں، یہ ہے کہ ہم اُن کو بجز اس کے اور کسی بات کا مکلف (پابند) نہ بنائیں کہ اُن کے پاس لکھ کر بھیج دیں کہ وہ بُت پرستی، زنا کاری سے بچیں اور گلا گھونٹ کر مارے ہوئے جانور اور خون سے اجتناب کریں۔

(۲) میں اور روح القدس ہم تم کو صرف اس لا بدی امر کا پابند بنانا چاہتے ہیں کہ تم بتوں کے نام پر مذبح کئے ہوئے جانوروں کے گوشت سے اور خون سے اور گلا گھونٹ کر مارے ہوئے جانوروں کا گوشت کھانے سے، زنا کاری و فحش کاری سے اجتناب و احتراز کرو۔ (آیت ۲۹)۔ (بیانات نفوسِ شہداء)

لہذا جو مسلمان یورپین ممالک میں سال ہائے دراز سے رہتے ہیں اور مستقل طور پر وہاں آباد ہیں، اگر اُن کی مجبوری حدِ اضطرار کو پہنچ جائے (یعنی ایسے جانور کا گوشت کھائے بغیر زندہ رہنا دشوار ہو جائے) اور وہ امام شافعیؒ کے اس مروج (پاسندیدہ) قول کو اختیار کر کے ایسے جانوروں کا گوشت کھانے لگیں تو ممکن ہے کہ وہ عند اللہ بھی معذور و مجبور سمجھے جائیں (اس لئے کہ بہر حال ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کے فتویٰ پر عمل کیا ہے) لیکن اس کے باوجود اس سے بچنا اور ایسا گوشت نہ کھانا احتیاط و سلامتی سے قریب تر ہے۔ واللہ اعلم،

مفتی صاحب نے اپنے ”تفصیل جواب“ میں جماعتِ اخوانِ مسلمون کے جو عرب دنیا کی جماعتِ اسلامی ہے، ”ماہنامہ المسلمون کے بعض فتوؤں کی جن میں ابو بکر بن العربی کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ وہ ”اہل کتاب کے گلا گھونٹ کر ہلاک کئے ہوئے جانور کو حلال کہتے ہیں نہ تردید کی ہے نیز اس ضمن میں مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔“

”حیرت اس پر ہے کہ المسلمون کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ اس پر (مسلمانوں کے لئے اہل کتاب کے تمام کھانے (ذبیحے) حلال ہیں، خواہ ذبح کیا ہوا جانور ہو یا گلا گھونٹ کر یا گردن توڑ کر ہلاک کیا ہو۔ یہ سب دوطعام الذین آدبوا الکتاب کے تحت آتے ہیں) تمام فقہاء متفق ہیں۔“

(بنیات، فروری ۱۹۷۷ء، ص ۱۴)

مفتی صاحب نے ماہنامہ ”المسلمون“ کی شکایت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے۔

”اسی طرح المسلمون کے بعض فتوؤں میں اہل کتاب کے تمام کھانوں (ذبیحوں) کو اگرچہ شرعی طریق کے مطابق ذبح نہ بھی کئے گئے ہوں، ضرورتِ ملحتہ (اضطراری ضرورت) کے تحت حلال کیا گیا ہے.....“

یاد رہے جنیوا کا یہ رسالہ ”المسلمون“ جماعتِ اخوانِ مسلمون کا آرگن ہے، اور یہ جماعت ہمارے ہاں کی جماعتِ اسلامی کی ٹیل ہے بلکہ اکثر امور میں مرجع رہی ہے۔

جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اعلیٰ بارے میں جو تفصیل جواب دیا ہے، اُس کا اختتام یوں فرمایا ہے۔

(۳) اہل کتاب کے وہ ذبیحے جن پر وہ (عمداً) اللہ کا نام نہیں لیتے یا غیر اللہ کا نام لیتے ہیں، جن

پر عزیز کا مسیح علیہا السلام کا نام لیتے ہیں، ان میں علماء اُمت کا (ابتداء سے) اختلاف ہے، بعض علماء جائز اور حلال کہتے ہیں اور بعض ناجائز اور حرام۔ لہذا آج کل یورپین ممالک میں آباد مسلمان اگر مجبوری کی بنا پر ان علماء کے قول پر عمل کریں جو جائز و حلال کہتے ہیں تو گنجائش رکھ سکتی ہے، لیکن پھر بھی بچنا بہتر اور سلامتی سے قریب تر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یورپ یا امریکہ وغیرہ اہل کتاب کے ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان ذبیحوں کا گوشت کھانے سے کلی طور پر احتراز و اجتناب کریں جو شرعی طریق ذبح کے خلاف مثلاً گلا گھونٹ کر یا گردن توڑ کر یا کسی اور غیر شرعی طریق پر ہلاک کئے گئے ہوں، وہ سب میتہ (مردار) کے حکم میں ہیں جو نہ اُن کے مذہب میں حلال ہیں نہ ہمارے مذہب میں اور کوئی ایک مسلمان بھی اُن کے حلال ہونے کا قائل نہیں۔ ہاں جو جانور معروف طریق پر ذبح تو کئے گئے ہوں، مگر ان پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ یا عزیز مسیح علیہا السلام کا نام لیا گیا ہو، جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کے نزدیک تو وہ بھی حرام ہیں صرف بعض تابعی اور ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہیں اور اُن کا کھانا جائز ہے، تو جو مسلمان سال یا سال سے اُن ممالک میں آباد ہونے کی وجہ سے ان ذبیحوں کا گوشت کلی طور پر ترک کرنے میں تنگی اور مجبوری محسوس کریں اور اُن بعض تابعین اور امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کریں اور کھالیں تو توقع یہ ہے کہ اُن پر اکل حرام کا عذاب نہ ہو گا۔

”بینات“ کے ماہ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ (ماہ اپریل ۱۹۶۵ء) کے شمارے میں اسی مسئلے کے متعلق ایک اور استفتاء اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا جواب چھپا ہے۔

استفتاء یہ ہے :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ

(۱) بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ: ”احادیث میں جو طریق ذبح مذکور ہے، یعنی حلق اور بُہ پر چھری چاقو وغیرہ دھار دار آلہ سے ذبح یا نحر کرنا“ امر تعبیدی نہیں بلکہ امر عادی ہے، عرب میں جوں کہ اسی طرح جانور ذبح کئے جاتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چند صدایات کے ساتھ اسی طریق کو قائم رکھا۔ لہذا مسلمان یا کتابی ”بسم اللہ اللہ اکبر“ کہہ کر جس طریق پر بھی جانور

ذبح کر لیں، ذبیحہ حلال ہوگا۔ یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی بجائے مشینوں سے لے رہا ہے۔ چنانچہ یورپ و امریکہ میں ایسی برقی مشینیں ایجاد ہو گئی ہیں کہ بہت سارے جانور اس کے نیچے کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بٹن دبانے سے ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔

اگر بٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی بسم اللہ اکبر کہہ کر بٹن دبائے تو یہ تسمیہ صحیح اور ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا اس استفتاء کا "خلاصہ جواب" یہ ہے:-

(۱) یہ قول صحیح نہیں۔ جانور کے حلال ہونے کے لئے ہر نص قرآن ذکوة شرعی ضروری ہے۔ اور ذکوة اختیاری کا طریقہ شرعیہ ذبح یا خمر ہے۔ اور ان کا محل حلق اور کتبہ ہے جس کا تعین حدیث صحیح میں "امور عادیہ" کے طور پر نہیں بلکہ "تشریعی" طریقہ پر کیا گیا ہے۔

(۲) اس طرح جانور کی گردن اوپر کی طرف سے کاٹ کر علیحدہ کر دینا۔ خواہ دستی چھری کے ذریعہ ہو، یا کسی مشین کے ذریعہ، ذبح کے شرعی طریقہ کے خلاف اور باتفاق جہور ناجائز اور گناہ ہے۔ البتہ جو جانور اس ناجائز طریقہ سے ذبح کر دیا گیا ہے۔ اس کا گوشت حلال ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر لگائی۔ اور بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبایا گیا۔ تو یہ ایک بسم اللہ سب کے لئے کافی ہوگی۔ ورنہ اگر آگے پیچھے گزریں گئیں۔ تو یہ بسم اللہ صرف پہلے جانور کے لئے کافی ہوگی۔ باقی جانوروں کے لئے یہ بسم اللہ معتبر نہ ہوگی۔ اور اسی لئے باتفاق اُمت یہ جانور حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

پھر اس طرح گردن کے اوپر سے ذبح کئے ہوئے جانور جن پر بسم اللہ پڑھنا معتبر بھی ہے، اُن کے حلال ہونے میں فقہاء و تابعین میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا بھی حرام ہونا منقول ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس طریقہ ذبح کے ناجائز اور گناہ ہونے کے باوجود اس کے گوشت کو حلال قرار دیتے ہیں۔ (صحیح البخاری۔ کتاب الذبائح)۔

آخر میں مفتی صاحب نے "خلاصہ کلام" کے ضمن میں لکھا ہے:-

”مذکورہ بالا تفصیل میں سوال کے دونوں نبیوں کا جواب آگیا۔ اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یورپ کے شہروں کا مروجہ طریقہ ذبح خلاف شرع اور موجب گناہ ہے۔ مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس رواج کو بند کریں اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلے پر قادر نہیں اور گوشت کی ضرورت بہر حال ہے ان کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز ہوگا۔ ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا۔

(۱) مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان یا نصرانی یا یہودی ہو۔

(۲) مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچانے کے وقت اس نے خالص اللہ کا نام بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا ہو۔

(۳) یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور متاثرہ اور الگ ہوں۔ دوسرے جانور جہاں پر چھری بعد میں پڑی ہے۔ اور وہ مردار ہیں، ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہونے کا علم ہونا آسان نہیں اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم!

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دارالعلوم کراچی - ۲۲ ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ

()

”انہی دنوں مولانا مفتی محمود صاحب شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان نے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے اس فتوے سے اختلاف کیا تھا۔ چنانچہ ماہنامہ ”بینات“ بابت جولائی نے ”مشینی ذبح سے متعلق حضرت علامہ مولانا مفتی محمود صاحب شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم کا مکتوب“ چھاپا تھا۔ جس کے شروع کے پیرے یہ ہیں:-

بینات بابت ماہ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ میں ذبح کا مسنون طریقہ کے عنوان کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر دارالعلوم کراچی کا فتویٰ نظر سے گزارا۔ حضرت مفتی صاحب عظیم و معروف شخصیت کے اس فتوے سے یورپ و امریکہ کے ممالک میں مروج طریق پر جس کا اسلامی ذبح سے کوئی علاقہ نہیں، اسلامی ذبح کی میر تصدیق ثبت ہو گئی اور پاکستانی ”مسفرین“ جو آج تک مشینی ذبح کے طریق کو ملک میں رائج کرنے سے اس لئے کتراتے تھے کہ علماء کرام ایسے ذبیحہ کی حلت اور عام استعمال میں رکاوٹ نہیں گئے، آج آپ سے آپ اُن کی شکل آسان ہو گئی۔ اور جو صورت حال اُن کے لئے

سوان روح نبی ہوئی تھی اور ہر قیمت پر وہ اس سے نکلنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے، آج اُن کے راستے کا وہ سنگ راہ ہٹا دیا گیا۔

پھر بیانات جیسے دینی و علمی رسالہ نے اس کو شائع کر کے یہ تاثر دیا کہ جو رسالہ سال ڈیڑھ سال سے جہاد پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں نصوص قرآن و حدیث پر سختی سے جے رہے اور اسلامی سنت پر سختی سے کام بند رہنے اور محدثین کی تحریفات و تشددات سے بچنے بچانے کے لئے زور شد سے چلا رہا ہے، وہ اتنی جلدی سے اس اہم اور عوامی اہمیت کے حامل مسئلہ میں اس فتوے کی اشاعت پر آمادہ ہو گیا تو لازمی طور پر شیعنی ذبیح کے حوازیں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

میسے محترم اس فتوے میں جہاں تک مشینی ذبیح اور برقی طاقت سے چلنے والی مشین کے ذریعہ بٹن دبا کر حلق کاٹ دینے کے حوازیں اور اُس کے نتیجے میں گوشت کی حلت کا معاملہ ہے اُس کا تو واضح طور پر اقرار کر لیا گیا ہے کہ جب کہ بٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی ہو اور بٹن دبانے کے وقت اُس نے تسبیح پڑھ لیا ہو تو وہ ذبیحہ حلال ہو گا۔

اس ذبیحہ کے جائز اور گوشت کے حلال ہونے کے واضح فتوے کے بعد صرف یہ کہنا کہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے یا مکروہ ہے یا ظلم اور بے رحمی ہے، یا ذابح (ذبیح کرنے والے) کا یہ فعل بُرا ہے، بالکل بے معنی ہے جب کہ آپ نے ذبیحہ کو جائز اور گوشت کو حلال کہا دیا۔

مہربان من! میں سمجھتا ہوں کہ بٹن دبانے والا مسلمان بھی ہو اور بٹن دبانے وقت تسبیح بھی پڑھے تب بھی مشین کے مروجہ ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہ مردار ہی ہے۔

[مولانا مفتی محمود صاحب کے نزدیک چوں کہ ”ذبیح اختیار ی میں ذابح (ذبیح کرنے والے) کا فعل (اپنے ہاتھ سے گلا کاٹنا) اور اُس کی تحریک کا موثر ہونا شرط ہے“ اور اس میں شک نہیں کہ برقی مشین سے جو جانوروں کے گلے کاٹتے ہیں، وہ یقیناً نہ انسان کا فعل ہے نہ اُس کے ہاتھ کی قوت کو اس میں کوئی دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ سمجھ رکھنے والا بھی اُس کو انسان کا فعل نہیں کہہ سکتا، اس لئے اس کو شیعنی ذبیحہ کہتے ہیں۔

آخر میں مولانا مفتی محمود صاحب نے لکھا ہے:-

اس لئے میں مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی سے باوقار درخواست کرتا ہوں کہ

© rasailojaraid.com

ہرمانے کے پیدا کردہ نئے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنا چاہتے ہیں تو اصولی طور پر ایک بات سامنے رکھیں کہ
 - خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کسی اندھیرے میں چھوڑ کر تشریف نہیں لے گئے۔ قیامت تک پیدا ہونے
 والے مسائل کا حل بتا گئے ہیں۔ ایسے مسائل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہ ہے:-

شاور الفقہاء العابدین ولا تعص فیہ برای خاصتہ - جس کا ماحصل یہ ہے کہ جن
 مسائل کا صریح حکم کتاب و سنت میں مذکور نہیں، ان کے حل کا طریقہ اہل فتویٰ، اہل تقویٰ علماء کا باہمی
 شورہ ہے۔ انہیں شخصی اور انفرادی رائے کا مسلمانوں پر مسلط کرنا جرم ہے۔
 (ہفت روزہ شہاب لاہور، ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ تالیخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ - الجزوالاول ص ۶۶۔ استفارہ کا عربی متن یہ ہے:-
 ان ذبحہم (نصارى الترنسفال) مخالفٌ وذلك لانہم یضربون البقرہ بالبط و بعد
 ذلك یذبحون بغیر تسبیۃ والغنم یذبحونها بغیر تسبیۃ ایضاً۔ هل یجوز ذلك أم لا ؟

۲۔ محولہ بالا ص ۶۸

۳۔ مولانا مفتی محمد شفیع کا مضمون - ماہنامہ البینات "کراچی - بابت فروری ۱۹۶۵ء ص ۶
 کہ حجۃ اللہ البالغہ کے یہ اقتباسات مولانا محمد اسماعیل گودھری کے اردو ترجمہ شائع کردہ
 شیخ غلام علی اینڈ سنز سے لئے گئے ہیں۔

۴۔ محولہ بالا ص ۹۱

۵۔ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۹

۶۔ ص ۱۲۸

۷۔ محولہ بالا ص ۸۴

۸۔ ص ۸۴، ص ۸۵

۹۔ تالیخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ - الجزوالاول - تالیف السید محمد رشید رضا مطبعہ دارالمنار
 مصر۔ مصنف کے آخری الفاظ یہ ہیں:- و ذکرنا فی الجزء الماضی ما یؤید رأی الجمهور
 کون آیات تحریم الاہلال بغیر اللہ مکیۃ و تقدم ایضاً ان ما اہل بہ لغیر اللہ ہو

اشد المحرم محرماً لأن علته دينية تتعلق بمجهر التوحيد -

اللہ تفسیر القرآن الحکیم الشہر تفسیر المنار الجزء السادس ص ۱۶۰ و نشر الجہور الطعام هنا بالذبايح و اللحوم لان غيرها حلال بقاعدة اصل المحل " شیعہ مذہب میں طعام سے مراد اناج وغیرہ ہے۔

۱۳ محمولہ بالا ص ۱۶۰ - عربی متن یہ ہے :- وقد شدد الله فيما كان عليه مشركوا العرب من اكل الميتة بانواعها المتقدمة والذبح للاصنام لئلا يتساهل به المسلمون الاولون تبعاً للعادة وكان اهل الكتاب بعد منهم عن اكل الميتة والذبح لغير الله ولانه كان من سياسة الذين التشديد في معاملة مشركي العرب حتى لا يبقى في الجزيرة منهم احد الا ويدخل في الاسلام ويخفف في معاملة اهل الكتاب استمالة لهم؛

۱۴ و کلمہ محمولہ بالا ص ۱۶۰

۱۵ - تاریخ الاثناذ الامام الشیخ محمد عبده الجز الاول ، ص ۶۴ - عربی متن یہ ہے :- والحاصل ان حلّ الذبيحة تابع لحل المناكحة على التفصيل المقرر في الفروع - والطعام اسم لما يוכל و منه الذبايح و ذهب اكثر اهل العلم ان تخصيصه هنا بالذبايح ورجحه الخازن - وفي هذه الآية دليل على ان جميع طعام اهل الكتاب من اللحم وغيره حلال عند المسلمين وان كانوا لا يذكرون اسم الله على ذبايحهم وتكون هذه الآية مخصصة لعموم قوله (ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه) وظاهر هذا ان ذبايح اهل الكتاب حلال وان ذكر اليهودي على ذبيحته اسم عزيز و ذكر النصراني على ذبيحته اسم المسيح ، واليه ذهب ابو الدراء و عبادة بن صامت وابن عباس والزهري و ربيعة ، والشعبي ومكحول وقال علي وعائشة وابن عمر اذا سمعت الكلابي يسمى غير الله فلا تأكل وهو قول طاووس والحسن وتمسكو بقوله تعالى (ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه) ويدل عليه ايضا قوله (وما اهل به لغير الله) وقال مالك انه يكره ولا يحرم وسئل الشعبي وعطاء عنه فقال يحل فان الله قد اهل ذبايحهم وهو يعلم ما يقولون؛ فهذا الخلاف اذا علمنا ان اهل الكتاب ذكروا على ذبايحهم اسم غير الله - واما مع

عدم العلم فقد حكى الكيا الطبرى وابن كثير الاجماع على حلها لهذه الآية ولما ورد
في السنة من اكله صلى الله عليه وسلم من الشاة المصلية التي اهدتها اليه اليهودية
وهو في الصحيح

۱۲۔ محمولاً بالاصح ۶۷ اصل عربي یہ ہے: ومجئ الآية الكريمة (اليوم اهل لكم الطيبات و
طعام الذين اتوا الكتاب حل لكم) من بعد آية تعريم الميتة (وما اهل لغير الله
به) بمنزلة دفع ما يترهم من تعريم طعام اهل الكتاب لانهم ليعتقدون
بالوهمية عيسى وكانوا كذا كاذبة في عهدہ عليه الصلوٰۃ والسلام الا ان
اسلم منهم۔ ولفظ اهل الكتاب مطلق لا يصح ان يحل على هذا القليل النادر
فاذا تكون الآية كالصريح في حل طعامهم مطلقاً كما كانوا يعتقدونها حلاني
دينهم دفعاً للخرج في معاشرتهم ومعاملتهم۔

۱۳۔ ابو عبد الله محمد بن محمد القرطبي۔ الجامع لاحكام القرآن۔ القاهرة سنة ۱۹۳۸ ج ۷ ص ۷۵۔
عربي متن یہ ہے: ان تركها (التسمية) عامداً او ناسياً بأكملها۔ وهو قول الشافعي و
الحسن وروى ذلك عن ابن عباس وابي هريرة وعطاء وسعيد بن المسيب والحسن
وجابر بن زيد وعكرمة وابي عياض وابي رافع وطائوس وابراهيم النخعي وعبد الرحمن
بن ابي ليلى وقتادة۔ وحلى الزهر اوى عن مالك بن النران قال: توكل الذبيحة التي
تركك التسمية عليها عمداً او ناسياً۔ وعن ربيعة ايضاً۔ قال عبد الوهاب: التسمية
سنة۔ فاذا تركها الذابح ناسياً أمكلت الذبيحة في قول مالك واصحابه۔

۱۴۔ البجيرى، سليمان بن عمر۔ حاشية البجيرى على المنهج۔ القاهرة سنة ۱۹۵۰ ج ۳
ص ۲۹۔ اصل عبارت یہ ہے:- فلو ترك التسمية ولو عمل أحل لان الله تعالى باحذاباً
اصل الكتاب بقوله: وطعام الذين اتوا الكتاب حل لكم وهم لا يذكرونها۔ واما
قوله تعالى: ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه والمراد ما ذكر عليه غير اسم الله
يعنى ما ذبح للاصنام بدليل قوله: وما اهل لغير الله به وسياق الآية ذال عليه
فانه قال: وانه لفسق والحالة التي يكون فيها فسقاً هي الاهلال لغير الله تعالى:

أَوْفَتْهُمُ أَهْلَ لَغْوِ اللَّهِ بِهِ. وَقَالَ الْبُحْهِيفَةُ تَرْكُهَا عَمْدًا يُحْرِمُ الذَّبِيحَةَ -

۱۹ - تاريخ الاستاذ الامام الشيخ محمد عبده الجز والاول ص ۶۸۹ عربي متن یہ ہے :-

..... وان طعام اهل كتاب حلال وذبايحهم ذكية وذلك مما حرم على المؤمنين

أكله بقوله (ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه) بمغزل لان الله انما حرم

علينا بهذه الآية الميتة وما اهل به للطواغيت - وذبايح اهل الكتاب ذكية

سموا عليها أولم يسموا، لانهم اهل توحيد واصحاب كتب الله يريدون بافعالها

يذبحون باديا منهم كما يذبح المسلم بيديه، سمي الله على ذبيحته أولم يسمه إلا

يكون تراك من ذكر تسميته على ذبيحه على الدينونة بالذبيحة أو لعبادة شئ سوى

الله فحرم ينسب اكل ذبيحته سمي الله أولم يسم "

نہ محور بالا ص ۶۸۱

۲۰ القاضی البکر بن العربی کے فتویٰ کا نص :-

وهذا دليل قاطع على أن الصيد وطعام الذين أوتوا الكتب من الطيبات التي أباحها الله

وهو الحلال المطلق، وإنما كرهه الله ليرفع الشكوك ويزيل الاعتراضات عن الخواطر

الفاسدة التي توجب الاعتراضات وتخرج الى تطويل القول ولقد سئلت عن النصرا في قيل

عنق الدجاجة ثم يطبخها، هل تؤكل معه ؟ أو تؤخذ منه طعاماً ؟ - وهي المسئلة

الثامنة - نقلت تؤكل لا بها طعام وطعام ابارة ورهبانه وان لم تكن هذه ذكاة

عندنا ولكن الله اباح لنا طعامهم مطلقاً، وكل ما يروونه في دينهم فانه حلال

لنا الا ما كذبهم الله فيه - ولقد قال علماءنا: انهم يعطوننا نساءهم ازاواجاً فيحل

لنا وطوئهن فكيف لا نأكل ذبايحهم والاكل دون الوط - في الحل والحرمه

تاريخ الاستاذ الامام شيخ محمد عبده ص ۶۸۳

۲۱ تفسیر القرآن جلد دوم ص ۱۸ (تفسیر سورہ المائدہ) از مر سید احمد خان

۲۲ وروی البخاری والنسائی وابن ماجہ من حدیث عائشۃ ان قوماً قالوا یا رسول اللہ: ان

قوماً یاوتونا باللحم لا ندري ذکرُوا اسمَ اللّٰهِ علیہ أم لا فقال "سمو علیہ انتمو کلو"

قال وكانوا حديثي عهد بالكفر - تفسير المنار - الجزء السادس ص ١٤٦

٢٣ والصواب من القول في ذلك ان يقال ان الله عني بذ لك ما ذبح للاصنام والآلهة أو

مأتمات او ذبحه من الاتحل ذبيحه - الخ - محوله بالا ص ١٤٧

٢٥ ص ١٣٣ اعني متن يه :- ولما كانت التذكية المعتادة في الغالب لصغار الحيوانات المقدسة

عليها هي الذبح كثر التعبير به فجعله الفقهاء هو الاصل وطنوا انه مقصود بالذات لمعني فيه فغلب بعضهم مشروعية الذبح بانه يخرج الدم من البدن الذي يضرب بقاؤه فيه لها فيه من الرطوبات والفضلات ولهذا اشترطوا فيه قطع الحلقوم والودجين والمر في على خلاف بينهما في تلك الشروط - وان هذا التحكم في الطب والشرع بغير بينة ولو كان الامر كما قالوا لما احل الصيد الذي يأتي به الجارح ميتاً وصيد السهم والمعرض اذا خرق لان هذا الخرق لا يخرج الدم الكثير كما يخرج به

الذبح - والصواب ان الذبح كان ولا يزال اسهل انواع التذكية على اكثر الناس لذلك اختاروه واقرهم الشرع عليه لانه ليس فيه من تعذيب الحيوان ما في غيره من انواع القتل كما اترهم على صيد الجوارح والسهم والمعرض ونحو ذلك واني

لا اعتقد ان النبي صلى الله عليه وسلم لو اطلع على طريقة للتذكية اسهل على الحيوان ولا ضرر فيها كالتذكية بالكهر بآنية - ان صح هذا الوصف فيها - يفضلها على الذبح لان قاعدة شريعته انه لا يحرم على الناس الا ما فيه ضرر لانفسهم او غيرهم

من الاحياء ومنه تعذيب الحيوان بالوقذ ونحوه واموال العادات في الاكل واللباس ليست مما يتعبد الله الناس لتبداً باقرارهم عليه ، وانما تكون احكام العبادات بنصوص من الشارع تدل عليها ، لا يعرف مرد الشارع وحكمته في مسألة من المسائل الا بفهم

كل ما ورد فيها بمجملته - ولو كان اقرار الناس على الشيء من العادات أو استئذان الشارع

لها حاجة على التعبد بها لوجب على المسلمين اتباع النبي صلى الله عليه وسلم

في كيفية اكله وشربه ونومه ، بل هنالك ما هو اجدرياً لوجب كالتزام صفة محددة

وحديثه يعبرم فرضه ووضع السرج والمصايح فيه -

٢٦ تفسير المنار. الجزء السادس ص ١٣٥. عربي متن يهـ: وقد تأملنا مجموع ما ورد في التذكية ففهمنا أن غرض الشارع منها آتاء تعذيب الحيوان بقدر الاستطاعة...

٢٧ تاريخ الاستاذ الامام الشيخ محمد عبيد الحجز الاول ص ٢٨٢

لا اشكال فيه (أي قول ابن العربي) عند التأمل لأن الله أباح لنا أكل طعامهم الذي يستحلونه في دينهم على الوجه الذي أباح لهم من ذكاته فيما شرعت فيه الزكاة على الوجه الذي شرعت. ولا يشترط أن تكون ذكاتهم موافقة لزكائنا في ذلك الحيوان المذكور ولا يستثنى من ذلك إلا ما حرم الله سبحانه علينا بالخصوص كالخنزير والطيئة التي لم تقتل بقصد الأكل، وأما ما لم يحرم علينا على الخصوص فهو مباح كسائر أطعمتهم وكل ما يفتقر إلى الذكاة من الحيوانات فإذا كان على مقتضى دينهم حل لنا أكله، ولا يشترط في ذلك أن تكون ذكاتهم موافقة لزكائنا، وذلك رخصة من الله وتيسير علينا. وإذا كانت الزكاة تختلف في شريعتنا فتكون ذبحاً في بعض الحيوانات، ونحرأ في بعض وعقرأ في بعض، وقطع عضو كراش وشبهه كما هو ذكاة الجراد، ووضعاً في ماء حار كذلك كالحلزون. فإذا كان هذا الخلاف عندنا بالنسبة إلى الحيوانات فكذلك قد يكون شرع في غير ملتنا سل عنق الحيوان على وجه الزكاة، فإذا أجاز الكتابي ذلك أكلنا طعامه كما أذن لنا ربنا سبحانه، ولا يلزمنا أن نبخس عن شريعتهم في ذلك. بل إذا رأينا أهل دينهم يتحللون ذلك أكلنا كما قال القاضي البوسري لا نأكل طعام إخبارهم ورهبانهم. "وإنما وقع الاستشكال في هذه المسئلة لأن سل عنق الحيوان عندنا لا يتباح به أكل الحيوان بل يصير ميتة نصارت الطباع نافرة عن الحيوان المفعول به ذلك فبحق أباح القاضي ذلك من طعام أهل الكتاب رفع استشكله ولا اشكال فيه على ما قررته.

